قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں ۔ سورۃ القلم (القرآن)

روزنامہ اوصاف اسلام آباد

ہمارے ذہن پر چھائے نہیں ہیں حرص کے سائے
جو ہم محسوس کرتے ہیں وہی تحریر کرتے ہیں

ہفتہ 29 اپریل 2000ء 23 محرم 1421ھ

مئی 2000

محترمہ بینظیر بھٹو کی خام خیالی

محترمہ بے نظیر بھٹو نے گزشتہ دنوں آکسفورڈ یونیورسٹی میں ایک مباحثہ میں مسلمان مقرر کے طور پر خطاب کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ اگرچہ ان کی طرف سے کوئی نئی بات نہیں اور اس سے قبل بھی وہ متعدد مواقع پر "نیو سوشل کنٹریکٹ" کے عنوان سے یہ سب کچھ کہہ چکی ہیں لیکن اسلام اور مغرب کے درمیان روز افزوں اور تیزی سے بڑھتی ہوئی کشمکش کے حالیہ تناظر میں اس کی اہمیت پہلے سے بڑھ گئی ہے مباحثہ کا عنوان تھا کہ

"اس ایوان کی رائے میں اسلام اور مغرب کے درمیان بقائے باہم ممکن نہیں"

اس موضوع پر خطاب کرتے ہوئے محترمہ بے نظیر بھٹو نے جوبات بطور اصول کہی وہ یہ ہے کہ

"مغرب نے چرچ اور ریاست یا مذہب اور ریاست کے درمیان جنگ بہت پہلے جیت لی تھی لیکن اسلام ابھی یہ جنگ نہیں جیت سکا اور یہی عالم اسلام کی خامیوں، کمزوریوں اور ناکامیوں کا سب سے اہم سبب ہے"۔

گویا محترمہ بے نظیر بھٹو کے نزدیک عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مسلم دنیا اپنی اجتماعی زندگی میں مذہب اور مسجد کے کردار سے دست بردار نہیں ہو سکی اس لئے وہ موجودہ مشکلات سے دوچار ہے اور اگر مسلمان یورپ کی طرح مذہب کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کر دیتے تو وہ بھی مغربی اقوام کی طرح ترقی یافتہ ہوتے، خوشحال ہوتے اور زندگی کے جدید وسائل اور اسلوب سے بہرہ ور ہوتے اس پر یہ سوال اگرچہ اپنی جگہ موجود ہے کہ ترکی نے تو مذہب کو گزشتہ پون صدی سے اپنی اجتماعی زندگی سے بے دخل کر رکھا ہے اور اس بے دخلی کو طاقت کے زور پر قائم رکھنے کی بدستور کوشش کی جا رہی ہے حتیٰ کہ ترکی کے موجودہ صدر جناب سلیمان ڈیمرل نے قرآن کریم کی دو سو تیس آیات کو (معاذ اللہ) ناقابل عمل قرار دے دیا ہے لیکن اس کے باوجود ترکی نہ یورپی یونین میں شامل ہو سکا ہے اور نہ ہی جدید ترقی، وسائل اور خوشحالی میں اسے ثمرات نصیب ہوئی ہے لیکن اس سے قطع نظر محترمہ بے نظیر بھٹو کی اطلاع کے لئے ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں ان اسباب کا بھی جائزہ لینا چاہیے جن کی وجہ سے یورپ نے چرچ اور مذہب کو اجتماعی معاملات سے بے دخل کرنے میں

کامیابی حاصل کر لی ہے مگر عالم اسلام میں اس قسم کی سوچ رکھنے والے عناصر اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور نہ ہی آئندہ کبھی کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک تین بنیادی اسباب ہیں جن کی وجہ سے مسلم دنیا میں مذہب اور مسجد کا تعلق عام معاشرہ اور اجتماعی زندگی سے منقطع نہیں ہو سکا اور ان اسباب کی موجودگی میں ایسا ہونا ممکن بھی نہیں ہے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ یورپ کی مذہبی قیادت کے پاس انجیل کی تعلیمات اور حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات اصلی حالت میں موجود نہیں تھے جس کی وجہ سے چرچ مذہبی معاملات میں پہلے سے طے شدہ کسی اصول کا پابند نہیں رہا تھا اور چرچ کی رائے کو ہر معاملہ میں حرف آخر کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اس وجہ سے ٹکراؤ کی فضا پیدا ہوئی جبکہ اس کے برعکس مسلمانوں کے پاس قرآن کریم اور جناب نبی اکرمؐ کے ارشادات اصلی اور محفوظ حالت میں موجود ہیں جس کی وجہ سے مسجد اور مولوی کی حیثیت مطلق العنان اور خود مختار ادارے کی نہیں رہی اس لئے مسجد اور معاشرہ میں ٹکراؤ کا کوئی امکان نہیں ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ یورپی معاشرہ میں جاگیرداری اور بادشاہت کے مظالم کے خلاف جب عوامی بغاوت منظم ہوئی تو چرچ نے غریب آدمی کا ساتھ دینے کی بجائے بادشاہ اور جاگیردار کا ساتھ دیا اور ظالم گروہوں کے ظلم و جبر کو مذہبی تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے کامیاب عوامی بغاوت میں بادشاہت اور جاگیرداری کے ساتھ چرچ کا بوریا بستر بھی لپیٹ دیا گیا جبکہ مسلم معاشرہ میں مسجد اور مولوی کی یہ پوزیشن نہیں ہے خود ہمارے ہاں جنوبی ایشیا میں مسجد نے آزادی کے مرکز اور مولوی نے جنگ آزادی کے کارکن کا کردار ادا کیا۔ عوام کے ساتھ مل کر ان کی آزادی کے لئے بے پناہ قربانیاں پیش کیں اور استحصالی طبقوں کا ساتھ دینے کی بجائے غریب عوام میں رہنے کو ترجیح دی اس لئے عوام کے دلوں میں مسجد اور مولویوں کے خلاف وہ جذبات نہیں ہیں جو یورپ میں چرچ اور پادری کے خلاف پیدا ہو گئے تھے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ یورپ میں سائنسی دور آیا تو چرچ سائنسی انکشافات کے خلاف فریق بن گیا، سائنس دانوں کو خدائی کاموں میں دخل دینے والے ملحدین قرار دے کر ان کے خلاف فتوے دیئے گئے اور بہت سے سائنس دانوں کو چرچ کے فتویٰ پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جس کی وجہ سے جدید ترقی، سائنسی علم اور نئے افکار کے ساتھ چرچ کی محاذ آرائی اور مخاصمت کا ماحول بن گیا اور چرچ کو شکست خوردہ فکر اور فلسفہ کا نمائندہ قرار دے کر مسترد کر دیا گیا جبکہ مسلم علماء نے سائنس اور اس کے انکشافات کے خلاف محاذ آرائی نہیں کی بلکہ اس موضوع پر کتابیں لکھی گئیں اور مقالات پیش کئے گئے کہ سائنس کا مذہب سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے بلکہ وہ مذہبی مسلمات کی موید ہے حتیٰ کہ مسلم علماء نے خلاء کی طرف انسان کے سفر کو جناب نبی اکرمؐ کے معجزہ معراج کی تائید قرار دیا۔ ہوائی جہاز کو حضرت سلیمانؑ کے معجزاتی ہوائی تخت کی تائید بتایا جو ہوا میں اڑتا تھا اور جس پر بیٹھ کر حضرت سلیمانؑ مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر لیا کرتے تھے اور ہوا کے ذریعہ پیغام رسانی کو حضرت عمر بن الخطابؓ کی اس کرامت کی تائید سمجھا جس کے ذریعہ انہوں نے مدینہ منورہ سے ہزاروں میل دور محاذ جنگ پر حضرت ساریہؓ کو جنگ کی صورت حال سے آگاہ کیا تھا اس لئے اسلام اور سائنس کے درمیان تصادم اور ٹکراؤ کی وہ فضا پیدا نہ ہو سکی جو یورپ میں چرچ اور سائنس دانوں کے درمیان صدیوں تک میدان کارزار بنی رہی۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کا یہ ارشاد بجا ہے کہ عالم اسلام میں مسجد اور ریاست یا مذہب اور ریاست کے درمیان تعلق منقطع کرنے کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی لیکن انہیں یہ توقع ہے کہ آئندہ شاید ایسا ہو جائے اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنے مذکورہ خطاب میں عالم اسلام کی موجودہ صورت حال کو ایک ارتقائی مرحلہ قرار دیا ہے لیکن ہم بصد ادب اب محترمہ سے یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ وہ اس خیال خام کو ذہن سے جتنی جلدی ممکن ہو نکال دیں کیونکہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اسلام ایک زندہ، طاقتور، توانا اور متحرک فلسفہ حیات ہے جس نے یونانی فلسفہ کو شکست فاش دینے کے بعد سائنس کو بھی اپنے مقابل صف آرائی کا موقع نہیں دیا اور اب مغرب کے سیکولر

باقی اگلے صفحے پر

نوائے قلم

فلسفہ سے اس کی آخری اور فیصلہ کن محاذ آرائی ہے جس میں اسلام کی فتح اور غلبہ کے امکانات صبح روشن کی طرح ہویدا ہوتے جا رہے ہیں اس لئے شکست خوردہ مغربی فلسفہ کے دامن میں پناہ لینے کی بجائے اسلام کے سایہ عاطفت میں آجائیں کہ اب اس کے سوا اور کوئی محفوظ پناہ گاہ نہیں ہے۔